© rasailojaraid.com

(۵) سے بدل کر (۱۷۲۵) میں سے (۳۹۵) کم کر دیئے جائیں اور یہ عبارت اس طرح پڑھی جائے "کنزالایمان فی ترجمہ القرآن" اس صورت میں اس میں تو شک نہیں کہ الفاظ کے مقررہ اعداد سے حاصل جمع ۱۳۳۰ھ نکل آتا ہے مگر نہ صرف یہ کہ عربیت کے اعتبار سے ہی یہ ترکیب قطعاً غلط ہو جاتی ہے بلکہ اساتذہ مادۂ تاریخ اور ماہرین فن "عملیات" کے نزدیک بھی اس نوع کا تصرف قطعاً جائز نہیں ہے!

بہرکیف مادۂ تاریخ کی یہ ایک فاحش علمی غلطی ہے جس سے صرفِ نظر کر لینا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔

عربی کتابیں برائے فروخت

سنن ابی داؤد (مجتبائی)	پچیس روپے ۲۵
سنن نسائی (مجتبائی)	بارہ روپے ۱۲
جامع ترمذی (مجتبائی)	اٹھارہ روپے ۱۸
تفسیر کبیر (طبع مصر) کاغذ اچھا مضبوط صرف جلد اول نہیں ہے۔	چالیس روپے ۴۰
اعلام الموقعین۔ ابن قیمؒ	دس روپے ۱۰
سُبل السلام، شرح بلوغ المرام	آٹھ روپے ۸

ملنے کا پتہ

منیجر مکتبہ برہان دہلی قرول باغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان میں تصنیفی مشکلات اوران کا حل

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے

یہ مقالہ مجلس مصنفین علیگڈھ کے دوسرے سالانہ جلسہ میں ۲۹ راگست کو پڑھا گیا تھا جس میں مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کرام کے علاوہ بعض بیرونی ارباب علم وادب بھی شریک تھے مقالہ مجلس مذکور کے سہ ماہی رسالہ "مصنف" کی تازہ اشاعت میں چھپ چکا ہے۔ اس میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ عام دلچسپی اور ضرورت کی ہیں اس لئے اس کو برہان میں بھی معزز معاصر "مصنف" کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ "برہان"

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا موجودہ دور تصنیف وتالیف کے اعتبار سے گزشتہ ادوار کی بہ نسبت کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور عروج پذیر فتہ ہے۔ پہلے جن حضرات کو تصنیف وتالیف کا ذوق ہوتا تھا۔ اپنے اس ذوق کی تکمیل انفرادی حیثیت میں کرتے تھے۔ اس عظیم الشان کام نے اجتماعی کوششوں کی کوئی منظم صورت اختیار نہیں کی تھی، لیکن خوشی کا مقام ہے کہ آج ایک دو نہیں متعدد تصنیفی اور تالیفی ادارے قائم ہیں جو اپنے اپنے مقصد، نصب العین اور بساط کے مطابق ہمارے ملک میں لٹریچر کا وقیع اضافہ کررہے ہیں، طباعت وکتابت کی بیش از بیش سہولت، تعلیم کی کثرت، حب وطن کا جوش، خدمت ملک وقوم کا جذبہ، ریاستوں کی امداد وغیرہ یہ سب چیزیں ہیں جن کو عہد حاضر میں تصنیف وتالیف کی طرف عام رجحان کا سبب کہا جاسکتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ تصنیفات وتالیفات کی کثرت اور ادارہائے نشر واشاعت کی بہتات کے باوجود اردو زبان میں کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے تصنیف وتالیف کی جو رفتار ہونی چاہئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ وقت اور ضرورت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے اب بھی قاصر ہے۔ اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگرچہ ہم میں بیداری پیدا ہو چکی ہے لیکن ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جو گہری نیند سوتے سوتے اچانک کوئی ڈراؤنا خواب دیکھکر جاگ اٹھا ہو۔ اور نیند کے غلبہ میں یہ نہ سمجھ سکتا ہو کہ وہ کہاں ہے اور اسے کیا کرنا چاہیئے۔ بعینہ یہی حال آج ہمارا بھی ہے۔ ہم نے ماضی قریب میں جو ایک مہیب خواب دیکھا ہے اس کا اثر یہ ہے کہ ہم جاگ اٹھے ہیں اور اپنی قومی ضرورتوں کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اقتصادی حالت بہتر ہونی چاہیئے۔ تعلیم کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ تصنیف و تالیف کے ذریعہ ہمیں اپنی ملکی اور قومی زبان کو فروغ دینا چاہیئے لیکن چونکہ ابھی تک ہمارا دماغی توازن درست نہیں ہوا ہے اور قوائے عملیہ پر بھی ابھی تک غنودگی کا اثر باقی ہے۔ اس بنا پر ہو یہ رہا ہے کہ جو کام جس طرح ہونا چاہیئے تھا اس طرح نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ "حدی" کو تیز تر کر دینے کے باوجود ذوقِ نغمہ میں کوئی زیادتی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ داستان بہت طویل ہے اور انتہائی غم انگیز بھی۔ لیکن اس مقالہ کا موضوع صرف تصنیفی کام ہے اس لئے میں اپنی گفتگو کو اسی حد تک محدود رکھوں گا۔ خوش قسمتی سے اس وقت مجھکو جن حضرات سے تخاطب کا شرف حاصل ہو رہا ہے وہ سب وہ ہیں جو اس اہم اور عظیم الشان کام کو ذمہ دارانہ طریقہ پر انجام دینے کا پرانا تجربہ رکھتے ہیں یا کم از کم اس کے نشیب و فراز سے پورے طور پر آگاہ ہیں اس لئے مجھ کو امید ہے کہ میں جو کچھ عرض کروں گا وہ گوشِ توجہ سے سنا جائے گا اور اس کے بعد ہم اِس مجلس میں ہی یہ فیصلہ کر کے اٹھیں گے کہ ہمیں اپنے اس اہم کام کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے عملاً کیا کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ آج ہم میں سے ہر شخص کی زبان پر اردو زبان کی ترقی اور ملک میں لٹریچر کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا تذکرہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے تصنیف و تالیف کا کام ہو رہا ہے۔ یونیورسٹیوں میں تحقیقاتِ علمیہ کے شعبے قائم کئے جا رہے ہیں۔ اچھے اچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی اور بلند پایہ رسائل کی تعداد بڑھ رہی ہے لیکن اس کے باوجود یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ابھی ہماری منزل بہت دور ہے اور وہاں تک صحیح و سلامت اور جلد پہنچنے کے لئے جس تگ و دو کی ضرورت ہے۔ ہمارا کاروانِ عمل اس سے تہی مایہ نظر آتا ہے۔ عالمِ اسباب کی کوئی چیز بھی بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں ہماری واماندگی کے بھی اسباب ہیں اور اس وقت اس مقالہ کا موضوع انھیں اسباب پر تبادلۂ خیالات کرنا ہے۔

تصنیف و تالیف کے سلسلے میں جن مشکلات کا نام لیا جا سکتا ہے وہ کئی قسم کی ہیں بعض مشکلات تو وہ ہیں جن کا تعلق خود مصنف یا مولف کی ذات سے یا اس کے اپنے اندرونی ماحول سے ہے اور بعض مشکلات ایسی ہیں جو خارج سے اور بیرونی اسباب و عوامل سے تعلق رکھتی ہیں مناسب ہوگا کہ ان دونوں قسم کی مشکلات کا الگ الگ جائزہ لیا جائے۔

(۱) پہلی قسم کی مشکلات میں خود مصنف کی پست ہمتی اور ضعفِ عمل کو سرِ فہرست ہونا چاہئے میری اس سے مراد یہ ہے کہ آج جہاں ہمارے رجحانات اور امیال و عواطف میں سینکڑوں قسم کے تغیرات واقع ہوگئے ہیں ان میں سے ایک تبدیلی یہ بھی ہے کہ ہمارے خالص علمی کام خالص علمی مقاصد کے ماتحت نہیں ہوتے پہلے زمانہ میں مصنفین کو تصنیف و تالیف کے کام میں صدہا قسم کی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ ان کا ذوقِ علمی پختہ اور مضبوط تھا اس لئے وہ تحسین و ستائش اور صلہ کی امید سے بے نیاز ہو کر محض اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے دور دراز ملکوں کی خاک چھانتے تھے اور جگہ جگہ سے ریزے چن کر خرمن اکٹھے کرتے تھے۔

چنانچہ آج ہم عربی زبان میں ابنِ جوزی، ابنِ حزم، ظاہری، یاقوت حموی، حافظ ابنِ تیمیہ حافظ ابنِ قیم، ابوریحان البیرونی، حافظ جلال الدین سیوطی اور دوسرے سینکڑوں ہزاروں علماءِ اسلام کے تصنیفی کارناموں کی فہرست دیکھتے ہیں تو غرقِ حیرت ہو جاتے ہیں تحقیق و تلاش اور علمی تفحص و جستجو کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ بڑی بڑی ضخیم مجلدات لکھ جانا دراصل ہمارے بزرگوں کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہمیں فخر ہو سکتا ہے۔ علی الخصوص اس وقت جبکہ ہم اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ مصنفین صرف مصنف نہ تھے۔ بلکہ کسی کے سپرد عہدۂ قضا تھا۔ کوئی وزارتِ عظمیٰ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھا۔ اور ایسے تو کثرت سے تھے جو وعظ و تدریس اور ارشاد و تلقین کے فرائض کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ لیکن آج حالت بالکل دگرگوں ہے۔ ہمارے خالص علمی کاموں نے بھی ایک اچھی خاصی تجارت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ ذرا غور فرمائیے۔ آج ہندوستان میں کتنے حضرات ہیں جنھوں نے یورپ کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے دو تین سال تک خالص علمی کام کیا اور کسی ایک موضوع پر ریسرچ کر کے مقالہ لکھا۔ لیکن پھر ان میں کتنے ہیں جنھوں نے مطلوبہ ڈگری حاصل کر لینے کے بعد بھی اپنے اس شغل کو جاری رکھا ہو، یا انھوں نے اپنے علمی انہماک و توغل سے یہ ثابت کیا ہو کہ وہ ڈاکٹر ہو جانے کے بعد اب بھی علمی ذوق و شوق رکھتے ہیں اور اپنے خاص مضمون کے سلسلے میں معلومات کا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ معاف کیجیے اگر میں کسی قدر صفائی سے کام لیکر عرض کروں کہ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ ان حضرات کو جب کوئی معقول تنخواہ کی ملازمت مل جاتی ہے تو اب ان کو عمدہ اعلیٰ لباس و طعام اور اعلیٰ طریقۂ رہائش کے سوا کسی اور علمی چیز سے سروکار ہی نہیں رہتا۔

حضرت علیؓ کا مشہور مقولہ ہے۔

العلم لا یعطیك بعضه حتی لا تعطیه کلك۔ "علم کو جب تک تم اپنا سب کچھ سپرد نہیں کر دوگے وہ تم کو اپنی کوئی ذرا سی چیز بھی نہیں دے گا"

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو علم کا حقیقی ذوق پیدا ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی چیز اس کے لئے جاذبِ التفات اور جاذبِ توجہ نہیں بن سکتی۔ یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ایک ایسا مبحث ہے جس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوب پھیلایا جا سکتا ہے لیکن اربابِ علم کے اس منتخب مجمع میں علم کے فضائل و مناقب اور اس کے لطائف و مزایا پر بسوط کلام کرنا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری ہے بلکہ میرے خیال میں آفتاب کو چراغ دکھانے کا بھی مصداق ہے۔ بہرحال گزارش کا مقصد یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے اساتذہ جو اپنے اپنے مضمون کے ماہر اور سند سمجھے جاتے ہیں ہم کو سب سے زیادہ اعلیٰ اور بلند پایہ تصانیف کی توقع ان ہی سے ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری یہ توقعات بڑی حد تک تشنۂ تکمیل ہی رہتی ہیں۔ یہ حضرات یونیورسٹیوں کے ماحول میں پہنچ کر "ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی بڑی وجہ خود یونیورسٹیوں کا وہ ماحول ہوتا ہے جسے آپ تعلیمی تو کہہ سکتے ہیں مگر علمی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں بڑی اور چھوٹی تعطیلات اور پھر خود تعلیم کے دنوں میں کام کا جو اوسط ہوتا ہے ان کے پیشِ نظر اگر کوئی شخص مطالعہ اور تصنیف کا حقیقی ذوق رکھتا ہے تو وہ بے شبہ اطمینان سے تصنیفی کام کرنے کے لئے کافی وقت نکال سکتا ہے۔ چنانچہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور الہ آباد اور پنجاب کے بعض اساتذہ جو خالص علمی بنیادوں پر تصنیف و تالیف کا کام کر رہے ہیں ان سے اس دعوے کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ الغرض ہماری تصنیفی مشکلات میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بقول مرزا غالب ؎

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی   وہ ہم سے بھی زیادہ کشتۂ تیغِ ستم نکلے

اس صورتِ حال کے انسداد کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم "علم برائے ثروت یا وجاہت" کی ذہنیت کو کسی طرح فنا کر کے کم از کم "علم برائے علم" کی صالح ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور اپنا ذوق اس درجہ پختہ اور راسخ بنا لیں کہ خواہ ہم کو کہیں سے داد ملے یا نہ ملے۔ بہرحال ہم اس کام میں لگے رہیں۔ اور نئی نئی تحقیقات کر کے اپنے ناواقف بھائیوں کو ان سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ ہمارے اسلاف کیسے کچھ تھے؟ یہ تو اب ایک افسانۂ کہن بن چکا ہے۔ خود یورپ کو دیکھئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دورِ مادیت و عشرت پرستی میں وہاں کے اساتذہ کس طرح دنیا کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگیاں خالص علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیتے ہیں پھر دیکھ لیجئے اسی کا نتیجہ ہے کہ جس موضوع پر وہ قلم اٹھاتے ہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے تحقیق کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں رہنے دیا ہے۔ یہ حضرات خود ہماری تاریخ، ادب، فلسفہ، مذہب اور تہذیب و تمدن سے متعلق جو عظیم الشان کام کر رہے ہیں ایمان کی بات یہ ہے کہ انھیں دیکھکر ہمیں اپنے اسلاف کی محنت و مشقت اور ان کے پُر خلوص جذبۂ عمل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو "خذ ما صفا" کے مطابق ان حضرات سے سبق لے سکتے ہیں اور یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے جسمانی اور مادی لذتوں کا ترک کر دینا ایسی روحانی لذت کا سبب ہوتا ہے جو پہلی لذتوں کے بالمقابل کہیں زیادہ دیرپا اور لطیف و نظیف ہوتی ہے۔

(۲) مصنف کی خامیِ ذوق کے علاوہ دوسری چیز جو اس کی تصنیفی مشغولیتوں میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے وہ خود اس کا اندرونی ماحول ہے اس ماحول میں سب سے بڑی رکاوٹ بد ذوق یا بے ذوق بیوی کے وجود کو سمجھتا ہوں۔ فرض کیجئے آپ میں ایک بہت بڑے مصنف بننے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے اور آپ اس صلاحیت سے کام بھی لینا چاہتے ہیں لیکن بدقسمتی سے آپ کو جو بیوی ملی ہے اس کے نزدیک آپ کی یہ صلاحیت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور اس کی نگاہ میں آپ کا ایک بلند پایہ مصنف ہونا آپ کی عزت و اکرام کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس آپ کی عزت و توقیر کا معیار اس کے نزدیک صرف یہ ہے کہ آپ کتنی تنخواہ پاتے ہیں؟ آپ نوکر چاکر اور کوٹھی اور موٹر رکھتے ہیں یا نہیں۔ آپ کو شہر کے معززین اپنی پارٹیوں اور دعوتوں میں بلاتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ خود غور فرمائیے ایسی فاسد ذہنیت رکھنے والی بیوی کی رفاقت و معیت میں رہ کر آپ کی یہ تصنیفی صلاحیت ابھرے گی اور پروان چڑھے گی یا آتشِ خاموش کے مانند آہستہ آہستہ بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔ مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقعہ پر مشہور محدث حضرت ابنِ شہاب زہری کا واقعہ یاد آتا ہے جب امام زہری رات کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہوتے تھے تو ان کی بیوی بعض اوقات جل کر کہہ دیا کرتی تھیں۔

واللّٰہِ ھٰذِہِ الکُتُبُ اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ ثلاث ضرات۔ قسم اللہ کی یہ کتابیں تو مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔

ممکن ہے آپ اس بات کو ایک مزاحیہ لطیفہ سمجھکر درخور اعتنا قرار نہ دیں لیکن مجھ سے زیادہ آپ اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ یورپ میں کتنے عظیم المرتبت مصنف ہیں جنھوں نے اپنی اہم تصنیفات بیوی کی رفاقت اور شرکت کار کے طفیل پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہیں اور کتاب کے شروع میں انھوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ خود میرے دوستوں میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں بہر حال ایک مصنف کے لئے یہ خانگی مشکل بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ اور اس کا حل اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اسلام نے مرد کو جو حق انتخاب دیا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا کر انمل بے جوڑ شادی سے اجتناب کرے اور اپنی رفاقتِ حیات کے لئے کسی ایسی خاتون کا انتخاب کرے جو اس کی تصنیفی صلاحیت اور علمی انہماک و مشغولیت کو افتخار کی نگاہ سے دیکھے اور اس راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے بجائے وہ بحیثیت ایک رفیقۂ حیات کے زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کرے۔

اب آیئے ان مشکلات کا جائزہ لیں جو تصنیف و تالیف کی راہ میں مصنف کے بیرونی ماحول سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے لائقِ ذکر یہ بات ہے کہ ہندوستان میں ایک مصنف کو وہ وقعت حاصل نہیں ہے جو ایک متمدن اور مہذب ملک میں اس کو حاصل ہوتی ہے اور جس کا وہ اپنے عظیم و جلیل کارنامہ کے باعث بجا طور پر مستحق ہوتا ہے۔ اگرچہ بہ نسبت سابق لوگوں میں کتابیں پڑھنے کا شوق اب بہت زیادہ پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن کثرت سے جن کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہ افسانوں، ناولوں، یا بہت ہی سستی قسم کی مذہبی کتابیں ہوتی ہیں۔ خالص علمی اور سنجیدہ کتابیں یا تو یونیورسٹیوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائبریریوں میں خوبصورت الماریوں کی زینت بنی بند پڑی رہتی ہیں اور یا خود غریب مصنف کا کمرہ ان کے انبار سے بھرا رہتا ہے جو بار بار ان کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے ؎

اہلِ دل کا نہیں اس دور میں پرساں کوئی   لئے بیٹھا ہے متاعِ غمِ پنہاں کوئی

خیال فرمائیے ایک شخص ہے کہ دن رات خونِ جگر پیتا ہے۔ رات کی تنہائیوں میں جبکہ دنیا کاروبار کے ہنگاموں سے تھک کر بسترِ راحت پر خواب نوشیں کی لذتوں میں سرشار ہوتی ہے یہ کتابوں پر جھکا ہوا دماغ کا عطر صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کو اس محنتِ شاقہ کا صلہ یہ ملتا ہے کہ ملک میں اس کی کوئی پرسش نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ خود اس کی سوسائٹی کے لوگ اس کو خشک دماغ سمجھکر اس سے کتراتے ہیں ظاہر ہے ان تمام دل شکن حالات کے باوجود اپنا کام جاری رکھنا اور تحسین وصلہ سے بے نیاز ہو کر زندگی کی فرصتوں کو اسی کے لئے وقف کئے رکھنا انتہائی عزیمت اور عالی حوصلگی کا کام ہو سکتا ہے اور بدقسمتی سے اب یہ صفات کم کیا کالعدم ہوتی جا رہی ہیں۔

ملک کی عام بد مذاقی کا اثر یہ ہے کہ کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے جو انفرادی یا جماعتی ادارے قائم ہوتے ہیں وہ بھی تجارتی نقطۂ نظر سے پاک نہیں ہوتے۔ کسی مصنف سے اس کی کتاب کا معاملہ کرتے وقت جو چیز ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ غور ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کتاب مارکٹ میں نکلے گی یا نہیں؟ اور اس کی فروخت سے ادارے کو نفع حاصل ہو سکے گا یا نہیں؟

ایک طرف اداروں کا حال یہ ہے اور دوسری طرف جو لوگ تصنیف و تالیف کی بہترین صلاحیتیں رکھتے ہیں ان کی معاشی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ وہ ناشرینِ کتب سے بے نیاز ہو کر اپنے ذوق کے مطابق آزادی اور اطمینان سے کام نہیں کر سکتے۔ جو لوگ تصنیف کے میدان میں آج روشناس ہیں ان میں اکثریت ایسے ہی حضرات کی ہے جنھوں نے معاش کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کر رکھے ہیں تصنیف اور تالیف کے جو ادارے قائم ہیں وہ اس قابل نہیں کہ معقول تنخواہوں پر ان مصنفوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمات مستقل طور پر حاصل کر سکیں اور مصنف تصنیف و تالیف کا کام یکسوئی اور پوری توجہ سے کریں، ان سب امور کا لازمی نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ کتابیں لکھنے والے اور کتابیں شائع کرنے والے سب مذاقِ عام کے سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ کیونکہ مصنفین اور ناشرین سب کا مقصد روپیہ کمانا ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک مذاقِ عوام کی پیروی نہ کی جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں گنے چنے چند ادارے ایسے بھی ہیں جو مذاقِ عوام سے بے پروا ہو کر خالص علمی اور ٹھوس بنیادوں پر کام کر رہے ہیں اور انھوں نے اب تک اپنے عمل کے جو نمونے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں وہ ہر طرح امید افزا اور سزاوار تحسین و ستائش ہیں لیکن ان اداروں میں چند نقائص ہیں جب تک ان کو دُور نہ کیا جائے گا ہماری قومی ضرورتیں ان کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتیں۔

(۱) پہلا نقص تو یہ ہے کہ ان اداروں میں باہم اشتراک عمل اور تعاون نہیں ہے۔ اس بنا پر ان کی کوششیں اجتماعی حیثیت اختیار کرنے کے بجائے ایک بڑی حد تک انفرادی نوعیت کی ہو کر رہ گئی ہیں۔

(۲) ہر ادارے کا نقطۂ نظر محدود ہے وہ صرف ایک ہی لائن پر اور وہ بھی ایک خاص انداز میں کام کرنے کا خوگر ہے۔ اس بنا پر اس ادارے کی جدوجہد اور اس کی عملی تگ و دو کا اثر بھی خاص حلقہ تک ہی محدود رہتا ہے۔ اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اپنے سے مختلف الذوق مصنّف کے لئے جائے پناہ بن سکے۔

(۳) اگرچہ ہر ادارہ شروع میں دعویٰ یہی کرتا ہے کہ وہ اہم مقاصد کے لئے قائم کیا گیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ابتدائی کاموں سے اس دعوے کی تصدیق بھی ہوتی ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تدریجی طور پر ان کے چلانے والوں میں یک گونہ تاجرانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پہلی سی بات باقی نہیں رہتی۔ گویا وہ حالات سے مجبور ہو کر جب زمانہ کو اپنا سازگار نہیں پاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو خود "تو بازمانہ بساز" پر عمل کرنے لگتے ہیں۔

(۴) ان اداروں میں کام کرنے کے لئے جن حضرات کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ چونکہ عموماً ذاتی تعلق پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نااہل لوگ ان اداروں میں دخیل ہوجاتے ہیں اور جو واقعی قابل اور لائق ہوتے ہیں وہ ان سے الگ ہی رہتے ہیں۔

(۵) ان اداروں میں کامیاب اور روشناس مصنف کی پرسش تو ہوسکتی ہے لیکن کوئی ادارہ نوآموز مصنفین کو تصنیف و تالیف کی تعلیم و تربیت دینے کا تکفل نہیں کرتا۔ اس بنا پر جو لوگ ازخود اپنی غیر معمولی محنت اور مشق و مہارت کے باعث نامور مصنف بن گئے ہیں ان کے لئے تو کسی نہ کسی ادارہ میں گنجائش نکل سکتی ہے لیکن نوجوانوں کو جب حوصلہ افزائی کا سامان نظر نہیں آتا تو ان کی صلاحیتیں اکارت چلی جاتی ہیں۔

بہرحال یہ نقائص ہیں جو ہمارے ان اداروں میں جزواً یا کلاً پائے جاتے ہیں جو آج کل ٹھوس بنیادوں پر کام کررہے ہیں۔ اول تو اگر ان میں یہ نقائص نہ بھی پائے جائیں تب بھی ان کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ان سے کسی طرح ہماری قومی اور ملی ضرورتوں کی تکمیل نہیں ہوتی۔ پھر ظاہر ہے ان نقائص کے ہوتے ہوئے ان سے کس طرح زیادہ اچھی توقعات قائم کی جاسکتی ہیں۔

یورپ میں جہاں ماہرین علوم و فنون اور مصنفین خالص علمی جذبات کے ماتحت تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی وہاں ایک آسانی یہ بھی ہے کہ گب میموریل ایسے متعدد ٹرسٹ ہیں جو خالص علمی اور بہت ہی خشک کتابوں کی اشاعت کے لئے وقف ہیں۔ اس بنا پر مصنف کو اس بات کی تشویش نہیں ہوتی کہ جب اس کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا تو اس کی اشاعت کی کیا صورت ہوگی۔ یورپ میں اس طرح کی سہولتیں بہم ہونے کا بڑا راز یہ ہے کہ اس ملک کے امراء اور متمول حضرات اگرچہ خود عالم نہیں ہوتے لیکن وہ علم کی قدر اس کی شان کے مطابق کرتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علم کی خدمت کو اپنی دولت کا بہترین اور موجب اجر و ثواب مصرف یقین کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کے حالات بالکل دگرگوں ہیں۔ یہاں علمی کمالات پیدا کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے تو عموماً جلبِ زر اور اس کے ذریعہ دنیوی آسائش و آرام کے زیادہ سے زیادہ وسائل حاصل کرنے کے لئے جب خود اربابِ علم کے طبقے میں علم کی وقعت یہ رہ گئی ہو تو امراء، نوابوں اور عام لوگوں سے تو آپ توقع ہی کیا کر سکتے ہیں؟

مناسب ہوگا اگر میں مذکورۂ بالا امور کے ساتھ اس کا بھی ذکر کروں کہ تصنیف و تالیف میں ہم کو جو رکاوٹیں اور مشکلیں نظر آتی ہیں ان میں ایک بڑا دخل ہماری سیاسی بدحالی کو بھی ہے جو قوم آزاد ہوتی ہے اس کے دل جوان ہوتے ہیں طرح طرح کی امنگوں اور ولولوں سے سرشار اور پھر ساتھ ہی اس میں تنظیم کی ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کے قومی کاموں کا کوئی گوشہ تشنہ، خالی اور نامکمل نہیں ہوتا۔

یہ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس میں ہر ایک چیز ایسی ہے کہ ایک مستقل داستان بن سکتی ہے لیکن مقصد صرف یہ تھا کہ یہ امور معرضِ گفتگو میں آجائیں تاکہ ان پر تبادلۂ خیالات ہو سکے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ہم کو غور یہ کرنا ہے کہ ان مشکلات کو کس طرح حل کیا جائے۔ میرے نزدیک ان کے حل کی ایک یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تمام مصنفینِ ہند کا اور ان کے ساتھ ایسے ارباب دولت کا جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہوں ایک عام اجتماع کر کے ان مسائل پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی جائے۔ جو ادارے ملک میں قائم ہیں ان میں باہم اشتراکِ عمل اور تعاون پیدا کرنے کی سعی کی جائے اور اس بات کے وسائل و ذرائع پر خاص طور سے غور کیا جائے کہ ہم ملک میں سنجیدہ اور علمی کتابیں پڑھنے کا ذوق کس طرح پیدا کر سکتے ہیں؟ پھر مصنفین کی حوصلہ افزائی اور ان کی قدردانی کے اسباب مہیا کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی نہایت ضروری ہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمارے ملک کے متمول طبقہ کو یہ حقیقت باور کرا دی جائے کہ جس طرح مسجدیں اور کالج بنوانا اور دوسرے قومی اداروں پر روپیہ خرچ کرنا ثواب کا کام ہے اسی طرح بہترین مصنفین کے لئے معاشی پریشانی سے نجات کا سامان بہم پہنچانا بھی ایک عظیم الشان قومی خدمت ہے۔

لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہ ہونی چاہئے کہ تصنیفی مشکلات کے حل کی آپ خواہ کیسی ہی عمدہ کوئی اجتماعی صورت سوچیں اور اس کو عمل میں لے بھی آئیں لیکن پورے طور پر ان مشکلات کا حل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم میں سے ہر ہر شخص خواہ وہ کتاب لکھنے والا ہو یا کتاب پڑھنے والا تصنیف و تالیف کی اہمیت اور اس کی حقیقی عظمت و فضیلت کا اذعان پیدا کر کے اپنی اپنی جگہ اپنے ذاتی فرض کو ادا کرنے کے لئے مستعد اور آمادۂ کار نہیں ہو جائے گا۔ مثلاً پہلے ان مصنفوں کو لیجئے جو قدرت کی طرف سے تصنیف و تالیف کی بہترین صلاحیتیں اور استعداد لے کر پیدا ہوئے ہیں اور ان کو خدا نے اس استعداد سے فائدہ اٹھانے کے مواقع بھی عطا فرمائے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ خدا کی اس نعمتِ جلیلہ کا شکریہ عملی طور پر پیش کریں اور اس کی صورت اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے کہ وہ تصنیف و تالیف میں منہمک رہ کر انسانیت کی خدمات انجام دیں۔ ایک مصنف کو اپنی خودی کا احساس پیدا کرنا چاہئے۔ فارسی کا عام زباں زد شعر ہے ؎

قلم گوید کہ من شاہِ جہانم　　قلم کش را بدولت می رسانم

حقیقت یہی ہے کہ مصنف کا مرتبہ انسانی سوسائٹی میں بہت اونچا ہے وہ اپنے قلم کی ایک جنبش سے سلطنتوں میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ بقول مرزا غالب جب صریر خامہ "نوائے سروش" بن جائے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس خامہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے والا انسان کس درجہ طاقت، قوت اور اثر و رسوخ کا مالک ہو سکتا ہے۔ تیمور لنگ نے ایک مرتبہ علم معانی و بیان کے مشہور امام سعد الدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفتازانی کی نسبت کس قدر صحیح کہا تھا کہ جن ملکوں کو تیمور کی تلوار فتح نہیں کرسکی ان کو سعدالدین کے قلم نے عرصہ ہوا کہ پہلے سے فتح کرلیا ہے۔

اگر پوری سوسائٹی کو ایک جسم قرار دیا جائے تو حق یہ ہے کہ مصنف اس سوسائٹی کا دماغ ہوگا اور دوسرے افراد مختلف اعضاء جوارح۔ پس جن حضرات کو خدا نے تصنیف کی لیاقت و قابلیت اور ساتھ ہی مواقع عطا فرمائے ہیں ان کو اس سے نہ صرف یہ کہ فائدہ اٹھانا چاہیے بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو گویا ایک طرح کی خودکشی کرتے ہیں اور اس بنا پر عجب نہیں کہ خدا کے ہاں ان کو اپنے اس فعل کا جواب دہ بھی ہونا پڑے۔ پھر علی الخصوص ہم آجکل جس دور سے گزر رہے ہیں وہ اس قدر نازک دور ہے کہ غالباً تصنیف و تالیف کے ذریعہ صحیح اور درست لٹریچر کی اشاعت اور اس طرح نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں صالح ذہنیت کی تربیت اور پرورش کی اس درجہ شدید ضرورت کبھی نہ ہوئی ہوگی جتنی کہ اب ہے۔ ایک طرف غلط تعلیم اور فاسد تربیت نے دماغوں کو مسموم کردیا ہے۔ دوسری طرف اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب سے متعلق غلط اور گمراہ کن تحقیقات نے اسلامی عظمت کی بنیادوں پر ضرب لگانی شروع کردی ہے۔ پھر کہیں حریفان شاطر بیان ہیں جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوکر علم و تحقیق کی زبان سے ہمارے عقائد کو متزلزل کرنے کی فکر میں ہیں اور کہیں بساطِ ادب پر "افکارِ نو" کی بزم آرائی اس طرح کی جارہی ہے کہ دیکھنے والے اس کے تجمل اور تزئین میں محو ہوکر شاہدِ حقیقی کی ضیا پاشیوں سے بھی متنفر ہوجائیں۔ غرض یہ ہے کہ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

کا عالم ہے مسلمان کا دل اور دماغ ایک ہے اور اس پر خدنگ افگنی چاروں طرف سے ہورہی ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ایک مصنف کا فرض سب سے زیادہ اہم اور سخت ہوجاتا ہے وقت اور ملت دونوں اس سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنی استعداد اور صلاحیتوں کے ہتھیاروں سے بکمال اعتنا مسلح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوکر آئے اور تقسیم عمل کے اصول پر کاربند ہوکر ہر میدان میں اور میدان کے ہر مورچے پر دشمن کا مقابلہ کرے اور صرف مقابلہ ہی نہیں بلکہ اپنی تصنیفات کے ذریعہ صالح ذہنیت، فکری بلند پروازی اور دماغی انجلا کے ایسے مضبوط قلعے تعمیر کردے کہ صدیوں تک دشمن ان پر ضرب نہ لگا سکے۔ آج ہندوستان میں یا اس سے باہر جو اسلام قائم ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں اسلامی مصنفوں کا کوئی بڑا حصہ نہیں ہے۔ یا قوموں اور سلطنتوں میں جو انقلاب پیدا ہورہے ہیں کون نہیں جانتا کہ پس پردہ ان کی تخلیق میں تلوار کے ساتھ قلم بھی شریک عمل نہیں رہا ہے۔ ہمارے مصنف کو سوچنا چاہئے کہ اس ملک کی بدقسمتی اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہماری روایات و آثارِ کہن کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جانے والا سیلاب پورے زور شور کے ساتھ ہمارے قصرِ عظمت یا کاشانۂ ہستی کے درودیوار سے ٹکرا رہا ہے اور ہمارا مصنف اپنے قلم زریں کو نقرئی کلپ کے ساتھ زینتِ جیب بنائے ہوئے آرام اور سکون سے بیٹھا رہے۔

یہ میں نے جو کچھ عرض کیا ان حضرات کے فرائض سے متعلق تھا جو تصنیف و تالیف کے اہل ہیں اور جو اپنے قلم سے قوم کی دماغی اور ذہنی قیادت و امامت کرسکتے ہیں۔ اب دوسری چیز جو کتاب پڑھنے والوں سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح وہ اپنی محدود آمدنی میں اپنا اور اپنے متعلقین کا خرچ پورا کرتے ہیں ان کے کھانے پینے، اور پہننے اوڑھنے کا بندوبست کرتے ہیں۔ گھر میں کوئی بیمار ہوجاتا ہے تو اس کا علاج کراتے ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ ماہوار وہ جتنا بھی پس انداز کرسکیں اس سے اپنے ذوق کے مطابق ماہانہ کتابیں خریدیں اور مفت کتابیں پڑھنے کی خطرناک عادت کو ترک کرکے قیمتاً خرید کر کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں اگر کسی جسمانی مرض کے علاج یا کسی مادی آسائش کے حصول کی توقع پیسہ خرچ کئے بغیر آپ نہیں کرسکتے تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ روحانی یا دماغی اور ذہنی تربیت و اصلاح کے سامان کو آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفت میں ہی حاصل کرنے کی فکر کریں اور اس کا راہم کے لئے آپ کے بجٹ میں کوئی گنجائش نہ ہو۔ متمدن ممالک میں دیکھئے کسی سے عاریۃً اخبار لے کر پڑھنے کو بھی اخلاقاً معیوب سمجھتے ہیں۔ یہاں نامناسب نہ ہوگا اگر میں ایک واقعہ عرض کروں۔

سرشاہ محمد سلیمان مرحوم نے جب اخبارات میں ندوۃ المصنفین دہلی کی کتابوں کا تذکرہ پڑھا تو انھوں نے ایک دن خط لکھ کر ہم کو اپنی کوٹھی پر بلایا۔ ہم نے حاضر ہو کر ندوۃ المصنفین کی کتابیں پیش کیں تو انھوں نے قیمت دریافت فرمائی، عرض کیا گیا آپ چونکہ خود بہت بڑے عالم اور فاضل ہیں اور مسلمانوں کے مخدوم ہیں اس لئے ہم کچھ کتابیں "ندوۃ المصنفین" کی طرف سے ہدیۃً جناب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس پر آں مرحوم نے فرمایا "یہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا میں کبھی کسی کتاب کا ہدیہ قبول نہیں کرتا ہوں۔ میرے نزدیک کتاب کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت کے باوجود اگر کوئی شخص مفت کتاب پڑھتا ہے تو وہ گویا کتاب کی بے وقعتی کرتا ہے" چنانچہ ہمارے اصرار کے باوجود آں مرحوم نے کتابوں کی قیمت ادا کردی اور ادارے کو آخرکار اسے قبول کرنا پڑا۔

اگر ہمارے خوش حال اور متوسط طبقہ کے افراد میں سے ہر ایک میں سرشاہ سلیمان مرحوم کا سا خوددارانہ اور ساتھ ہی علم پرورانہ احساس پیدا ہو جائے تو خیال فرمائیے ہماری کتنی تصنیفی مشکلات آج آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔

© rasailojaraid.com